جمعہ پنجشنبہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۳ ربیع الثانی ۹۶ عزیزہ ہمشیرہ فاطمہ سلمہا اللہ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۲۱ والے نماز کے بارہمیں سوالات کے یہ جوابات ہیں:

نمبر ۱ "آپ نماز میں جو قراءۃ پڑھتے ہیں اس قراءۃ میں لطافت نہیں ہوتی۔ کوئی لفظ بہت دباکر، کوئی لفظ زیادہ کھینچ کر، پڑھا جاتا ہے، جس سے ترتیل نہیں آتی۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے (کہ) الفاظ مروڑے جا رہے ہیں"۔

یہ بات بڑی حد تک صحیح ہے۔ میں خوش الحانی سے محروم ہوں نیز تجوید و قراءت سے۔ اگرچہ اس کی اصلاح کی کوشش کرتا رہتا ہوں، اور کچھ حد تک اسمیں پہلے سے کمی واقع ہوئی ہے۔ خوش الحانی اور صحیح قراءت دونوں قابلِ رشک دین ہیں، اللہ جسے جتنا عطا کرے۔

مگر جسمانی خوبصورتی کی طرح یہ خوش الحانی بھی ایک باعث فتنہ بن سکتی ہے، الا جسے خدا بچائے۔ علاوہ ازیں یہ دونوں چیزیں قرآن کا صحیح حق ادا کرنے کے واجبات میں سے نہیں ہیں، بلکہ مستحبات میں سے ہیں۔ قرآن کا صحیح حق ادا کرنا اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا کہ "الذین آتیناہم الکتاب یتلونہ حق تلاوتہ" یعنی تلاوت کا کما حقہ حق ادا کرتے ہیں۔ تلاوتِ قرآن سے مراد اتباعِ قرآن ہے، یعنی اس کا پڑھنا اور اسپر چلنا۔ قاری اسکو بتلایا گیا جسکی قراءت سے یہ ظاہر ہو کہ وہ اسے سمجھکر پڑھ رہا ہے، اور اس کے معانی سے متاثر ہو رہا ہے۔ قرآن تدبر اور تفکر کے لئے نازل ہوا ہے، نہ کہ صرف حسنِ تلاوت کیلئے، جیسا مسلمانوں نے اسے بنا لیا ہے۔

خلیل مرحوم، اور عام عرب قراء و ائمۂ مساجد کو حسنِ قرآن خوانی صد مبارک۔ لیکن یہ قرآن خوانی اگر ظاہری حد تک محدود رہتی ہے اور عملی طور پر موثر نہیں ہوتی، تو یہ ایک فتنۂ عظیم ہے۔ خاص طور پر جو نمازیں عرب ممالک میں پڑھی جاتی ہیں وہ رسول ؐ اور صحابہ ؓ کی نمازوں سے کوسوں دور ہیں۔

پیرا ۲۷

نمبر ۲ "خلیل مرحوم مغفور نماز پڑھایا کرتے تھے۔ اکثر معمولی سورتیں ہوا کرتی تھیں، لیکن ماشاء اللہ قراءت میں کتنی لطافت تھی۔ اتنی مجھے ہر نماز سے طبیعت خوش ہوتی تھی۔ اللھم اغفر لہ وارحمہ! نماز تو ایسی ہی ہونا چاہیئے کہ مقتدی خوش ہو کر جماعت پکڑنے دوڑے چلے آئیں۔ چھوٹے بڑے سب حاضر ہوں۔ جماعت بڑھتی جائے، کوئی جماعت سے بھاگے نہیں"۔

"نماز پہلے ہی سے لمبی ہوتی ہے میرے حساب سے، پھر کھینچ تان کر پڑھنے سے اور زیادہ لمبی ہوتی ہے۔ نماز اتنی مختصر اور خوبصورت ولطیف وخوش الحانی سے ہو کہ ہر مقتدی خوش ہو کر پڑھے، اور کبھی اکتائے نہیں"۔

اس عبارت میں دو الگ الگ چیزیں مخلوط ہو گئی ہیں۔ دونوں کو جدا کرکے غور کرنا چاہئیے۔ (۱) خوش الحانی (۲) اختصار۔

جہاں تک نفس کا تعلق ہے، ہر انسان کو دونوں چیزیں بھاتی ہیں۔ مگر شرعی معیار سے دونوں میں بڑا فرق ہے۔ خوش الحانی کو بدالحانی پر ہر طرح اور ہر لحاظ سے ترجیح حاصل ہے۔ اس بارہمیں مثلاً خلیل مرحوم کو پہلا نمبر حاصل تھا، اور مجھکو ڈھوس نمبر۔ اس بارہمیں عام طور پر عرب ائمہ اوروں کے مقابلہ میں بہت آگے ہیں، جیسا کہ اوپر لکھا گیا۔

مگر سوال دوسری چیز کا ہے، یعنی مختصر اور لمبی نماز کا۔ پھر اس میں ذرہ بھی شک نہیں کہ تقریباً ہر انسان کو لمبی نماز کے مقابلے میں مختصر نماز پسند آتی ہے۔ پھر جب نماز پڑھانے والا خوش الحان بھی ہو اور نماز کو مختصر کر کے بھی پڑھائے تو اسکی نماز کسے پسند نہ آئے؟ اور یہیں پر نفس کا دھوکہ ہے۔ اور اس کا فیصلہ کرنے کے لئے خود شارع صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنا ہوگا، جو اللہ کی طرف سے اہل ایمان کو دیگر احکام کی طرح صحیح نماز بھی سکھلا گئے۔

چنانچہ آپ کی نماز، اور نماز کی ہر ادا، اہل علم پر مطلق پوشیدہ نہیں ہے۔ آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے عمر بھر آپ کے ساتھ نمازیں پڑھیں، اور تمام آنے والوں کو آپ کی نمازوں کی مفصل کیفیت بتلا گئے، جو آج تک کتب احادیث میں جوں کی توں محفوظ ہیں۔

اس طرح یہ مسئلہ اس سوال میں منحصر ہو جاتا ہے کہ کیا آج کرۂ ارضی پر بسنے والے ہم مسلمان اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق مختصر کر کے پڑھیں، یا ہمارے رسول صلعم کے بتلائے ہوئے طریق کے مطابق لمبی یا مختصر کر کے پڑھیں۔

یقیناً ہر اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والا یہی کہیگا کہ ہمیں رسول کی اتباع کرتے ہوئے نمازیں پڑھنی چاہئیں۔ اگر آپ نے کوئی نماز لمبی پڑھی ہے، اور کوئی نماز درمیانی، اور کوئی نماز مختصر، تو ہمیں بھی اسی طرح پڑھنی چاہئیے، بلا کم وکاست۔ محبت الٰہی کی پہچان ہی کمال اتباع رسول کو بتلایا گیا ہے۔ چاہے وہ نماز کی ادائگی سے متعلق ہو، یا اخلاق و معاملات سے، یا جہاد و تجارات سے۔

احادیث میں صاف صاف آتا ہے کہ رسول کریم صلعم فجر کی نمازمیں ۶۰ سے ۱۰۰ آیتیں تلاوت کیا کرتے تھے، جیسا کہ جمعہ کے دن سورۂ سجدہ (۳۰ آیتیں) اور سورۂ دھر (۳۱ آیتیں) فجر کی دونوں رکعتوں میں پڑھا کرتے تھے، دونوں ملکر ۶۱ آیتیں ہوئیں۔ ظاہر ہے کہ یہ کوئی مختصر قراءت نہیں ہوئی۔ پھر احادیث میں یہ بھی آتا ہے کہ آپکا قیام (یعنی قراءت) اور رکوع، اور سجدہ، اور قومہ، اور جلسہ، سب برابر ہوا کرتے تھے یعنی قیام کے لحاظ سے رکوع اور سجدے بھی لمبے یا ہلکے ہوا کرتے تھے۔ پھر یہ بھی آتا ہے کہ آپکی قراءت ٹھہر ٹھہر کر ترتیل سے پڑھی جاتی تھی۔ پھر آپکے پیچھے بھی بوڑھے کمزور، عورتیں، بچے، وغیرہ ہوا کرتے تھے پھر آپ سے نمازمیں جلدی، عجلت اور بے اطمنانی مطلق کبھی ثابت نہیں ہے، نہ قیام میں، نہ رکوع میں نہ سجودمیں۔ بلکہ ہمیشہ آپنے نمازیوں کو اطمنان، سکون اور خشوع کی تاکید فرمائی۔ ان سب باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے ہم بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ آپ کی نماز مجموعی کتنی لمبی یا کتنی مختصر ہوا کرتی تھی۔ اور اسی سے ہم اپنی نمازوں کی مقدار (یعنی لمبائی اور اختصار) اچھی طرح سیکھ سکتے ہیں۔

پھر آپ نے فرمایا صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي (تم اسی نماز پڑھا کرو جیسی تم مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو) تو ہم اس بارے میں خلیل کی، یا عبد الصمد کی، یا ائمہ مساجد کی، پیروی کرینگے، یا محض نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی؟

اسی طرح نماز ظہر، اور عصر اور مغرب اور عشا کی نمازیں جو آپ پڑھا کرتے تھے احادیث میں بڑی تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ ان سے ان نمازوں کی مقدار بھی بخوبی معلوم ہو سکتی ہے۔

مگر لوگوں نے اس معیارِ نبوی کو بالائے طاق رکھکر اپنی من مانی نمازیں پڑھنا شروع کر دیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہم بلا کسی قید کے یہ کہنے لگیں کہ "نماز اتنی مختصر اور خوبصورت ولطیف وخوش الحانی سے ہو کہ ہر مقتدی خوش ہو کر پڑھے، اور کبھی اکتائے نہیں"۔

تو جہاں تک نمازوں کے مختصر ہونے کا تعلق ہے، تو عام طور پر بلادِ عربیہ کی مساجد میں ایسی مختصر نمازیں پڑھی جاتی ہیں کہ ہر مقتدی خوش ہو کر ہی پڑھتا ہے، اور کبھی نہیں اکتاتا۔ اگر یہ أئمہ رسول کی اقتدا کرتے ہوئے نمازیں ذرا خشوع خضوع، سکون واطمانان سے پڑھنے پڑھانے لگ جائیں تو شاید کوئی ایک مقتدی بھی ان سے خوش نہ ہو، اور بہت جلد اکتا جائے۔ بالفاظِ دیگر ہم نفس پرستی کی نمازیں پڑھتے ہیں، نہ کہ نبی کی نمازیں۔ ان نمازوں سے شیطان تو بیحد خوش ہوتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ ناراض۔

نمبر ۳ "اگر نمازیں اکثر چھوٹے اور کمزور ہوں تو انکے خاطر مختصر نماز پڑھانی چاہیئے۔ پھر اپنے خاطر دل کے مطابق پڑھی جائے، ایسا مناسب ہے؟"۔

یہ بعینہ ایک صحیح حدیثِ نبوی کے الفاظ ہیں۔ مگر اس حدیث کا سیاق وسباق نہ سمجھنے سے اکثر لوگوں نے بجائے نفع کے خسارہ مول لیا۔ دراصل آپ نے اتنی معقول بات اسوقت کہی تھی جبکہ ایک محبوب صحابی نے عشاء جیسی نمازیں، جب کہ لوگ دن بھر کے تھکے ماندے ہوا کرتے ہیں، جوش میں آ کر ۴۰ رکوع والی سب سے لمبی سورت پڑھ ڈالی تو سرکار آپ بیحد غضبناک ہوئے، اور ان کو ڈانٹ کر کہا کہ اے معاذ! کیا تم فتنۂ عظیم بپا کرنا چاہتے ہو؟ تم نے کیوں سورۂ سبح اسم ربک الاعلیٰ، سورۂ والشمس، سورۂ واللیل، جیسی کوئی سورت نہیں پڑھی؟ کیا تم کو نہیں معلوم کہ تمہارے پیچھے چھوٹے، کمزور، تھکے ماندے، لوگ کھڑے ہوتے ہیں؟ صحابی مذکور کا قصور یہ تھا کہ سورۂ اعلیٰ کی بجائے انہوں نے سورۂ بقرہ پڑھی تھی نمازِ عشاء میں۔ ان کا یہ قصور ہرگز نہیں تھا کہ انہوں نے مثلاً آدھے گھنٹے کے رکوع یا سجدے کئے ہوں، یا قراءت ٹھہر ٹھہر کر پڑھی ہو۔ نہیں بلکہ ہر صورت میں رکوع وسجود خشوع وخضوع اور اطمانان ہی سے ادا کئے جائینگے، چاہے جسقدر چھوٹے اور کمزور پیچھے کھڑے ہوں۔

اس حدیث کو نہ سمجھتے ہوئے مختصر نماز کے قائلین یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہر نماز جسقدر مختصر ہو سکے پڑھانی چاہیئے۔ روز ہی نفسِ انسانی کی عین خواہش کے مطابق ہے، نہ کہ اسوۂ نبوی کے مطابق جو ایسے مکروہ اختصار کو ہرگز روا نہیں رکھتا۔

نمبر ۴ "بیچارے بچے نماز ہی کیا پڑھتے ہیں، ان کو صف جماعت بندی کی عادت ڈالی ہے۔ پھر جو لمبی نماز پڑھنا ہی نہیں چاہتے، زبردستی ہمارے خاطر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ انکا بھی دل نماز میں ہونا مشکل ہے۔ انکا دل رکھنا چاہیئے"۔

بچوں کو ماں باپ جس طرح چاہیں اچھی یا خراب نماز سکھا سکتے ہیں۔ بچے ماں باپ کے فرمانبردار ہوا کرتے ہیں۔ اگر شروع ہی سے بچوں کو اطمانان بخش نمازوں کی عادت ڈالی جائے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ بڑے ہو کر ٹھکانہ کی نمازیں نہ پڑھیں۔ اور بچپن ہی سے انہیں لے بھاگ والی نماز سکھائی جائے تو ان سے سنجیدہ نمازوں کی توقع رکھنا بےسود ہے۔ مطمئن نمازیوں کے بچے بھی مطمئن نمازیں پڑھا کرتے ہیں، جیسا کہ عبداللہ نصیف کا لڑکا عمر۔ خود نفسِ نماز ایک شاق اور بھاری چیز ہے (وانها لكبيرة)۔ پھر اس پر ہم اگر "بچوں کا دل رکھنا چاہیں" تو اس سے ہاتھ دھو لو۔

نمبر ۵ "میرے خیال میں انسان مختصر نماز پڑھکر ہر لفظ کے معنی سمجھے وہ بہترین نماز ہو سکتی ہے، اور وہی نماز اصلی ہے"۔

یہ تم نے بڑی ٹھکانے کی بات کہی۔ اگر ایسا کر لیا تو بڑا تیر مارا۔ کیونکہ نماز کو سمجھکر پڑھنا ہی نماز کا اصلی گُر ہے، اور وہ نماز ہی نہیں جو بغیر سمجھے ہوئے پڑھی جائے۔ حدیث کے الفاظ ہیں کہ نمازی کی صرف اتنی نماز لکھی جاتی ہے کہ جتنی وہ سمجھکر پڑھے۔ نہیں لکھی جاتی ہے مگر نصف نماز، مگر ثلث نماز، مگر ربع نماز... یہاں تک کہ آپؐ نے عشر نماز تک گنایا"۔

تو نتیجہ یہ ہوا کہ نماز کے الفاظ و معانی سمجھکر نماز پڑھی جائے، اور ایسا کرنے میں جو کم از کم وقت خرچ ہو وہ دیا جائے۔ اور جب ہم ایسا کرنے لگ جائینگے تو ہماری نمازیں اتنی مختصر نہ ہو سکینگیں جتنی کہ ہم پڑھا کرتے ہیں، یا پڑھنا چاہتے ہیں۔ ان نمازوں میں اس سے کافی زائد وقت صرف ہوگا۔ اسی قسم کی نماز کو دوسرے الفاظ میں اطمینان والی نماز کہا جاتا ہے، یا خشوع والی نماز۔ اور خشوع اطمینان کا ناممکن ہے جلدی اور تیزی کے ساتھ۔ اسکے لئے وقت، بہتر وقت دینا پڑتا ہے۔ اور دراصل اللہ کے دئے ہوئے وقت کا یہی صحیح مصرف ہے۔ اور اسی لئے اللہ نے وقت کی قسم کھاتے ہوئے فرمایا والعصر* ان الانسان لفی خسر۔ نماز کے لئے مطلوبہ وقت کا نہ دینا یہ عین خسارہ ہے۔ اور انسانی حیاتی میں وقت ہی کی قیمت ہے۔ اہل دنیا اپنے وقت کو دنیا کمانے اور سمیٹنے میں خرچ کیا کرتے ہیں۔ اہل آخرت آخرت کمانے میں، اور سب سے بڑی آخرت کمانا نمازوں کو اطمینان سے ادا کرنا ہے۔ ان ہی اوقات کا ہر منٹ اور ہر پل آخرت میں کروڑوں سال کے برابر ہونے والا ہے۔

وقت نماز میں کفایت شعاری برتنے سے ہی انسان مختصر سے مختصر نماز پڑھنا چاہتا ہے۔ اور زیادہ وقت دینے کو تضییع اوقات سمجھنے لگتا ہے۔ پھر جب ایسی مختصر نماز پڑھنے کا عادی ہو جاتا ہے تو وہ ہرگز صحیح مطمئن نماز نہیں پڑھ سکتا، بلکہ صحیح نماز سے بہت گھبراتا اور بدکتا ہے۔

یہ تو ائمۂ مساجد کا فرض ہے کہ وہ اپنے مقتدیوں کو صحیح نمازیں پڑھنا سکھائیں، تاکہ اپنی اور ان کی نمازیں اللہ کے ہاں قبول ہو جائیں، اور نہ کہ ضائع ہو کر عذاب مول لیں۔ مثال کے طور پر حرم مکہ میں جمعہ کی نمازوں کو لو، جو عموماً ۳-۴ یا حد سے زیادہ ۵ منٹ میں پڑھکر ختم کی جاتی ہیں۔ ان میں کم از کم قراءت پڑھنے کے علاوہ رکوع و سجود کو انتہائے عجلت سے سمیٹ کیا جاتا ہے، اور جن میں کامل تحیات شاذونادر پڑھا جاتا ہے

اس قسم کی ٹکسالی نمازوں سے عوام نہایت خوش ہوتے ہیں، کہ نماز جیسی شاق عبادت سے اتنا جلد اور آسانی سے چھٹکارا ہو گیا، اور نجات حاصل ہوئی۔ کمال تو یہ ہے کہ بڑے علماء سب کے سب ایسی نمازوں پر پردۂ سکوت ڈال کر خاموش بیٹھے ہیں، نہ کبھی ان ائمہ پر احتجاج کرتے ہیں، نہ انہیں ٹوکتے ہیں، اور نہ انکی اصلاح کو خاطر میں لاتے ہیں۔ اور اسطرح کل نمازی اللہ کے ہاں مجرم بن جاتے ہیں۔ کیا رسول اللہؐ کا قدوہ و اسوہ جمعہ کی ایسی بے تکی حرکت رہا ہے؟ کیا آپؐ ان دو رکعتوں میں سورۂ جمعہ مکمل اور سورۂ منافقون مکمل نہیں پڑھا کرتے تھے، یا کیا ہے گا، یہ سورۂ اعلیٰ اور الغاشیہ؟ کیا آپکے رکوع و سجود ایسے بے بھاگو عجلت کے نمونے ہوا کرتے تھے، یا اتنی جلد سلام پھیر دیا کرتے تھے۔ حاشا وکلا!

بغیر سمجھے پڑھی ہوئی نماز :

اگر نماز کے الفاظ واذکار کو دھیان نہ دیتے ہوئے بلا سمجھے پڑھا جائے تو ساری نماز ایک عبث لایعنی حرکت بن کر رہ جاتی ہے۔ کیونکہ نماز از اول تا آخر بندوں اور رب کے مابین ہم کلامی اور مناجات ہی مناجات ہے۔ اسی لئے نماز کو مؤمنین کی معراج کہا جاتا ہے، یعنی جس طرح رسولِ خدا ﷺ معراج میں اللہ تعالی کے پاس پہنچ کر اس سے ہمکلام ہوئے تھے اسی طرح نمازی بندے دن رات میں پانچ مرتبہ اللہ کے ساتھ ملاقات کرکے ہمکلام ہوا کرتے ہیں۔ یہ ہے نماز کا اصلی مقام، جس کی ہم نے یہ درگت بنائی ہے۔

ہر بندے کا اس طرح پاک صاف ہو کر دست بستہ اللہ کے سامنے آ کھڑا ہونا اللہ تعالی سے عین ملاقات کرنا ہی تو ہے۔ حدیث کے صاف الفاظ ہیں: "وأمركم بالصلاة. فإذا صليتم فلا تلتفتوا، فإن الله ينصب وجهه لوجه عبده في صلاته ما لم يلتفت"، (حديث الحارث الاشعري، أخرجه احمد والترمذي، وقال حديث حسن صحيح غريب، ابواب الامثال، باب ٣ ما جاء مثل الصلاة والصيام والصدقة)۔

یعنی: اور اللہ نے تمکو نماز کا حکم دیا، پس جب تم نماز پڑھو تو ادھر ادھر نہ جھانکو [illegible]، کیونکہ اللہ تعالی اپنا رخ اپنے بندے کی طرف نصب کرتا ہے نماز کی حالت میں جب تک کہ وہ [illegible] ادھر ادھر نہ جھانکنے لگے۔ ابن خزیمہ کی روایت کے لفظ یہ ہیں: فان اللہ یقبل بوجہہ الی وجہ عبدہ = اللہ تعالی اپنے رخ سے اپنے بندے کے رخ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

اللہ، اللہ! کیا شان ہے اللہ کے بندے کی! اگر وہ سمجھے اور محسوس کرے۔ البتہ اللہ کا بندے کی طرف رخ پھیرنا بندے کے رخ پھیرنے کی طرح ہرگز نہیں ہے، نہ اس کا رخ ہمارے رخ کی طرح ہے۔ وہ تو بہ یک وقت کل عالمین کی طرف بلا تکلف اپنا رخ پھیر سکتا ہے، لیس کمثلہ شیء۔ اور ہر نماز میں ہر نمازی کے لئے یہ حکم صادق آیا کرتا ہے۔ مگر ہمارے لئے کتنی شرم کی بات ہے کہ وہ تو ہماری طرف متوجہ ہو، اور ہم ادھر ادھر غیر [illegible] کی طرف۔ یہ تو ہوا ہر نماز میں اللہ تعالی سے ملاقات کرنے، یا معراج حاصل ہونے کا بیان، جو ضمناً آ گیا۔ ابھی تو اسکے ساتھ ہمکلامی اور مناجات کا حال باقی ہے۔

ایک نمازی کو یہ مکرر حاصل ہونے والی اس عظیم الشان معراج سے کتنے لوگ واقف ہیں؟ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "أقرب ما يكون العبد من الله وهو ساجد"۔ یعنی بندہ اللہ سے قریب ترین اس وقت ہوتا ہے جبکہ وہ سجدہ میں ہو۔ دیکھا تم نے کہ سجدہ کی حالت میں روئے زمین پر بسنے والا یہ خاکی پتلا اپنا ماتھا اور چہرہ اللہ کے سامنے فرش پر ٹیک دیتا ہے انتہائے تواضع کے ساتھ، مگر اس کی روح عرش الٰہی کے سامنے پہنچ کر سر بسجود ہو جاتی ہے اسکی تسبیح بیان کرتے ہوئے اور اس کا رب عظیم اسکی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اس کا استقبال کرتے ہوئے۔ اس سے بڑھکر اور معراج کیا ہو سکتی ہے؟ کیا ائمہ مساجد اس مقام کو محسوس کیا کرتے ہیں جبکہ وہ پوری جماعت کے ساتھ رکوع و سجود کو بنظر عجلت و بے لطفی سے نرخا دیا کرتے [illegible]

سجدہ کی اسی عظیم فضیلت دیکھکر ہر سچا نمازی جان سکے گا کہ ہر سجدہ میں وہ بڑی دیر تک پڑا رہے۔ مگر جماعت کی حالت میں آپ زیادہ سے زیادہ دس تسبیحیں کہا کرتے، یا سات یا پانچ، اور کم از کم تین۔ مگر رات کی تنہائی کی نمازوں میں آپ پچاس پچاس تسبیحیں کہا کرتے، جیسا کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔

نمازوں کا اور روحوں کا بارگاہ الٰہی میں پہنچنا

صحیح نمازوں کا اللہ کے حضور میں پہنچنے کی خبر حضرت عبداللہ بن عمر کی ایک مرفوع حدیث میں یوں آتی ہے کہ
"کوئی مؤمن نہیں ہے جو وضو کو پورا کرکے اپنے اپنے ٹھکانے پہنچاتا ہے، پس نماز کے لئے کھڑا ہوجاتا ہے اپنے
وقت پر اللہ کے لئے ادا کرتے ہوئے، کہ جس کی کوئی چیز نہ چھوڑ دی گئی ہو نہ اسکا وقت نہ اس کا رکوع نہ
سجدہ نہ دیگر نشانات، مگر یہ کہ اس کی نماز اٹھا لی جاتی ہے اس کے لئے اللہ عزوجل کی طرف کھلی
روشن کہ اسکے نور سے مشرق و مغرب چمک اٹھتے ہیں، یہاں تک کہ اسے رحمٰن عزوجل کے حضور
پہنچا دیا جاتا ہے جو اسکا استقبال کرتا ہے، اور کہتی ہے اسکی نماز خدا تیری حفاظت کرے جیسا کہ تو نے
میری حفاظت کی"۔

یہ ہے مؤمن کی نماز کا مقام اللہ کے نزدیک۔ اب مؤمن کی روح کا مقام سنئے جو ہر
نماز میں اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوا کرتی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں ہمیں
دین و دنیا، موت و زیست، حشر و نشر کی ہر چھوٹی بڑی ضروری چیزیں بتلا دیں، وہاں
مؤمن اور کافر کی موت کی کیفیت بھی بڑی تفصیل و وضاحت سے بتا گئی۔ امی و ابی فداہ۔
اس بارے میں حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ سے ایک مشہور صحیح حدیث ابو داؤد وغیرہ
میں کئی طور سے وارد ہے، اور جب البراء کے علاوہ ابو ہریرہ، انس بن مالک اور ابن عباس
رضی اللہ عنہم نے بھی روایت کیا ہے۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ:

جب کسی مؤمن بندے کے انتقال کا وقت آتا ہے تو اسکے استقبال کے لئے اللہ کے خاص
فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ خوبصورت، روشن، ہاتھوں میں جنت کا کفن اور خوشبو لئے ہوئے، یہ پاک
روحیں، یعنی فرشتے، مرنے والے کے اردگرد بڑی دور تک بیٹھ جاتے ہیں ملک
الموت کے انتظار میں۔ اسطرح یہ مؤمن بندہ زندگی میں پہلی مرتبہ فرشتوں کو دیکھتا ہے، اور
وہ بھی ایسے نیک اور حسین فرشتے۔ انہیں دیکھکر اسکی طبیعت بے انتہا خوش ہوجاتی ہے،
اور وہ سمجھ جاتا ہے کہ یہ جنتی فرشتے ہیں، نہ کہ دوزخی۔ وہ انہیں غور سے دیکھنے لگ جاتا ہے،
آس پاس کھڑے ہوئے لوگ اسکو نظر نہیں آتے۔

اتنے میں ملک الموت نہایت بہترین روپ میں نمودار ہوتا ہے، سلام کرکے سرہانے
بیٹھ جاتا ہے، اور کہتا ہے کہ اے پاک جسم میں رہنے والی پاک روح، اللہ کی رحمت
و خوشنودی کی طرف چلی چل، جیسا کہ اللہ نے قرآن میں فرمایا یا أيتها النفس المطمئنة
ارجعي إلى ربك راضية مرضية۔ ملک الموت کا اس نیک بندے کی روح قبض کرنا
ہی ہے کہ وہ فرشتے اسکی روح کو جھپٹ کر اس کے پاس لے لیتے ہیں، جنتی کفن میں
لپیٹ کر اسے لے اڑتے ہیں۔ اور اسمیں سے ہے کہ عجیب و غریب خوشبو مہکنے لگتی ہے جو
دنیا کی بہترین مشک سے بھی زیادہ خوشبودار ہوتی ہے۔

(حاشیہ: پھر اسکی روح نہایت آسانی سے نکل آتی ہے۔)

جونہی فرشتوں کا یہ جلوس اسے لئے ہوئے فضا میں پرواز کرنے لگتا ہے ہوا میں تیرنے
والے لاتعداد فرشتے اسکا استقبال کرتے ہوئے دریافت کرتے ہیں کہ آئی اور اسی یہ پاک
روح کسکی ہے؟ تو فرشتے اسکا بہترین نام لیکر بتلاتے ہیں۔ فرشتوں کا جلوس اسے تاقافلہ
پہلے آسمان تک پہنچ کر دستک دیتے ہیں۔ نام دریافت کیا جاتا ہے، اور جھٹ دروازہ
کھلتا ہے۔ پہلے آسمان والے چیدہ فرشتے ساتھ ہو لیتے ہیں، یہاں تک کہ دوسرے آسمان، اور پھر اسی
طرح تیسرے آسمان اور چوتھے اور پانچویں اور چھٹے اور ساتویں آسمان کے بعد خود اللہ تعالیٰ کے سامنے عرش
تک پہنچا دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسکا استقبال کرتے ہیں اور حکم ملتا ہے کہ اسکا نام علیین میں لکھو۔

بعض روایتوں میں یہ مزید تفصیل بھی آئی ہے، کہ یہاں تک کہ اسکی روح مَلِکِ جبّار کے روبرو پہنچائی جاتی ہے۔ اور جبّار جلّ جلالہ فرماتا ہے: مرحبا اُس پاک روح اور وہ جسم جسمیں سے وہ نکلی! اور جب رب عزّ وجل کسی کو "مرحبا" فرمائے تو ہر شئی اسکا استقبال کرتی ہے، اور اس سے ہر تنگی و تکلیف ختم ہو جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اس پاک روح کو جنت میں داخل کر دو، اور اسے اُسکا ٹھکانا جنت میں لیجاکر بتلادو، اور اس پر وہ تمام کرامتیں اور نعمتیں پیش کر دو جو میں نے اسکے لئے تیار کر رکھی ہیں۔ اسکے بعد اسے پھر سے زمین پر لوٹا دو، کیونکہ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں نے لوگوں کو اسی مٹی ہی سے پیدا کیا ہے، اور اسی میں انہیں لوٹا دونگا، اور اسی میں سے انکو پھر سے نکالونگا۔ پھر آپ نے فرمایا: قسم ہے اسکی جسکے ہاتھ میں محمد کی جان ہے: تب یہ روح جنت سے نکلنے کو اس سے کہیں زیادہ شاق محسوس کرتی ہے جتنا کہ جسم ہی سے نکلتے وقت محسوس کر رہی تھی، اور کہنے لگتی ہے کہ مجھے کہاں لیجا رہے ہو؟ کیا اسی جسم میں کہ جسمیں میں پہلے تھی؟ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ ہمکو اب یہی حکم ملا ہے، ہمکو اسکے سوا چارہ نہیں ہے۔ پس اسے لیکر فوراً نیچے اترتے ہیں اس اثنا میں کہ اسکو غسل دیکر کفنایا جائے۔ پس اس روح کو اسکے جسم اور کفن کے درمیان داخل کر دیتے ہیں۔

اسکے بعد قبر میں منکر نکیر کی پرسش کا ذکر آتا ہے، اور سوال جواب کے بعد اسے کہا جاتا ہے کہ قیامت کھڑی ہونے تک کا انتظار کرو۔ اور وہ قیامت کی بیچینی سے انتظار کرنے لگتی ہے۔

اور احادیث میں آتا ہے کہ مرنے کے بعد، یعنی قبر کے امتحان کے بعد ہر مؤمن کی روح سبز پرندوں کے کھوکھے میں رکھی جاتی ہے جو جنت میں چرتی چگتی ہے۔

اس تفصیل سے بخوبی اندازہ ہوا کہ مرنے کے ساتھ اتنی جلد پاک نمازی روح اللہ کی بارگاہ میں پہنچادی جاتی ہے، اور جنت کی سیر کرنے لگ جاتی ہے۔ اور اس سے قبل اسکی نمازیں ٹھیک اسی طرح پرواز کر کے رب العزت کے پاس پہنچا کرتی تھیں، اور پہنچکر شرفِ قبولیت حاصل کرتی تھیں۔ نمازیں زمین پر رہتے ہوئے معراجِ روح کا کام دیتی تھیں اور موت آتے ہی ابدی معراج حاصل ہو گئی اسی روح کو۔

یہی وجہ ہے کہ ایک مؤمن کو اللہ کی ملاقات کا کامل یقین ہوا کرتا ہے، نہیں بلکہ وہ ہر نماز کو آخری اور وداعی نماز تصور کر کے پڑھا کرتا ہے۔ بالفاظ دیگر اسکا جسم زمین پر چلتا پھرتا ہے، مگر اسکی روح اللہ کے پاس مَلَاءِ اعلیٰ میں رہا کرتی ہے۔ کیا ہماری نمازیں ایسی ہوتی ہیں؟

نماز میں اللہ سے مناجات

ان حقائق کو جان لینے کے بعد اب ہم اچھی طرح سمجھ سکینگے کہ خود نفس "نماز" اور ہر نماز، بلکہ ہر نماز کی ہر رکعت، کس قسم کی اعلیٰ سے اعلیٰ مناجاتِ الٰہی پر مشتمل ہے۔ اس مناجات کی مفصّل کیفیت ایک ٹھوس مبسوط حدیثِ قدسی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے۔ اس حدیث پر غور کرنے سے قبل نماز کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عملِ عظیم جسے "نماز" کہتے ہیں، اور جو ذکرِ الٰہی کا مکمل مرقع ہے، مختلف اجزاء پر مشتمل ہے۔ اس کے اندر مکمل توحید، اخلاصِ نیّت، حضورِ قلب، اعمالِ قلب، زبان و جوارح، احوال و مقاماتِ سالکین، وغیرہ سب کچھ ٹھوس اور جامع طریق پر بھر دیا گیا ہے۔

تاہم نماز کا چوٹی کا جزء قراءتِ قرآن ہے جو خود معبودِ برحق کا زندہ کلام ہے، اور اس کل قرآن کی روح اور جان سورۃ الفاتحہ ہے، جسے ہر رکعت میں پڑھنا فرض اور واجب ہے اور یہی مکالمہ و مناجاتِ الٰہی سے لبریز ہے۔ حدیثِ مذکور کا تعلق اسی سورت سے ہے۔

یاد رکھنا چاہئیے کہ نماز میں مناجات والی اس بحث کا تعلق اس اُصولی مسئلہ کا ضمیمہ ہے کہ نماز کو مختصر، مگر سمجھکر، پڑھنا چاہئیے، جسکے لئے کچھ نہ مہلت و فراغت درکار ہے۔ جو حضرات اس مہلت و تدبر کے قائل نہیں ہیں، یا قائل تو ہیں مگر عادی نہیں ہیں، وہ حضرات اس بحث کو نہ پڑھیں تو اچھا ہے۔ کیونکہ ان کے لئے یہ محض تضییعِ اوقات ہے، اور کچھ نہیں۔

اس تمہید کے بعد اب ہم مذکورہ حدیثِ مناجات کیطرف متوجہ ہوتے ہیں۔ راوی اس کے احادیث نبویّہ کے حافظِ اعظم، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ مخرّج اس کے امام حافظ مسلم بن الحجاج نیسا پوری ہیں۔ جو اسے اپنی کتاب صحیح مسلم کی کتاب الصلاۃ کے گیارھویں باب "باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ" میں متعدد اسنادوں سے لے آئے ہیں۔ اور اسی طرح نکالا اسکو ابو داود، ترمذی، اور نسائی نے۔ نیز امام بخاری نے اپنے رسالے جزء القراءۃ خلف الامام میں ۱۷ مختلف طریقوں سے روایت کیا ہے۔

اس حدیث کا قصہ یہ ہے کہ جب حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے اُس حدیث کو بیان کیا جسمیں آپ فرماتے ہیں کہ "جس کسی نے پڑھی نماز، پس نہیں پڑھا اس نے اسمیں اُمّ القرآن، یعنی سورۂ فاتحہ کو، تو وہ ناقص ہے، ناقص ہے، ناقص ہے، تو اس پر ابو ہریرۃ سے روایت کرنے والے راوی، ابو السائب مولی ہشام بن زہرۃ نے سوال کیا کہ ہم امام کے پیچھے ہوا کرتے ہیں، اور امام جہری نماز پڑھتا رہتا ہے، تو ہم کسطرح سورۂ فاتحہ کو پڑھیں؟ تب اسوقت اس راوی کے سوال کے جواب میں حضرت ابو ہریرہ نے اُس حدیث کو بیان کیا۔ اور کہا کہ تو سورۂ فاتحہ کو، امام کے پیچھے، اپنے دل میں پڑھ لیا کرو۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ~~کہتے ہوئے~~ سنا کہ فرمایا آپ نے:

~~"اللہ تعالی فرماتا ہے:~~

"اللہ تعالی فرماتا ہے: میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھوں آدھ تقسیم کر لیا، پس اُس کا آدھا حصّہ میرے لئے ہے، اور آدھا حصہ میرے بندے کے لئے ہے، اور میرے بندے کے لئے ہے وہ جو اسنے مانگا..."

(قطعِ کلام۔ یہاں "نماز" سے مراد سورۂ فاتحہ ہے، اس نام سے اسے اسلئے یاد فرمایا کہ بغیر اسے پڑھے نماز درست نہیں ہوتی، جیسا کہ آپنے فرمایا الحج عرفۃ (حج عرفہ ہے) یعنی قیام عرفات کے بغیر حج نہیں ہوتا۔ اسمیں اس بات کی دلیل ہے کہ نماز میں یعنی فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے۔ فاتحہ کو تقسیم کر لیا اسکے معنی کے لحاظ سے فرمایا، کیونکہ اسکا نصفِ اول اللہ کی حمد و ثنا و تمجید و تفویض میں ہے، اور نصفِ ثانی میں بندے کا سؤال و طلب، تضرع و افتقار موجود ہے۔ اب اس تقسیم کی تفصیل ملاحظہ ہو، جسمیں مناجات کا پہلو نظر آئیگا)۔

فرمایا:

"پس جب بندہ کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (ساری تعریف اللہ کے لئے ہے جو تمام عالمین کا پروردگار ہے)، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حَمِدَنِي عَبْدِي (میرے بندے نے میری حمد و تعریف بیان کی)"۔

(نماز کو سمجھکر پڑھنے کا یہی خاص مقام ہے۔ پڑھنے کو تو ٹک پڑھ دیا چار لفظوں میں "الحمد للہ رب العالمین"، مگر معنی اس فقرے کے اتنے وسیع ہوئے کہ اسنے کل کائنات کی ہی نہیں، بلکہ اس کائنات کے خالق و مالک و حاکم و متصرف، تک کا مکمل احاطہ کر ڈالا۔ اتنا ہی نہیں، بلکہ اس رب کے اسم اعظم، یعنی کل الٰہیت کا مستحق "اللہ" سے اسے یاد کیا، اور صرف اللہ کا نام ہی نہیں لیا، بلکہ اسکو ہر قسم کی حمد و تعریف کا مستحق گنایا کہ کمال مطلق اگر حاصل ہے تو صرف اسی کو حاصل ہے، جسکا انتہائے محبت کیساتھ اعتراف کر لیا۔ اتنے وسیع معانی و مطالب

کی ہلکی سی جھلک بھی اگر ذہن کے سامنے پیدا ہو جائے، اور یہ احساس ہو کہ اللہ تعالیٰ بندے کی طرف متوجّہ ہو کر سن رہا ہے، اور صرف سن ہی نہیں رہا ہے، بلکہ اسکی کما حقّہ یہ کہتے ہوئے داد بھی دے رہا ہے کہ "میرے بندے نے میری تعریف بیان کی"۔ حالانکہ وہ ہمارے تعریف کرنے سے بے نیاز ہے۔ تو الحمد پڑھنے والا کس حد تک متأثر ہو سکتا ہے اسکا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ اور لازم ہے کہ ان کیفیات کی بنا پر وہ کچھ نہ کچھ ضرور ٹھہر جائیگا۔ اسی لئے آپ سے ثابت ہے کہ آپ ہر آیت پر توقف کر کے ٹھہر جاتے تھے۔ اس ٹھہرنے کو سامنے رکھتے ہوئے نمازی جتنی مختصر سے مختصر قراءت پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے۔ آگے ارشاد ہوتا ہے:)

"اور جب کہتا ہے (بندہ) اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (بڑا رحمت والا، رحم دل) فرماتا ہے اللہ تعالیٰ: ثنا بیان کی مجھ پر میرے بندے نے"۔

(ربّ العالمین میں اللہ کا پُر جلال ہونا بیان کیا گیا تھا، تو الرحمن الرحیم میں اللہ کی عالمگیر صفت رحمت و اکرام کا ذکر آ گیا، کہ اللہ ذو الجلال والاکرام ہے۔ رحمٰن میں رحمت سے پُر ہونا ہے، تو رحیم میں اسکی رحمت کا ہر آن ظاہر ہونا ہے۔ ہر وقت اللہ کی رحمت ہر شئی کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ خود الرحمن الرحیم کہنے والے کو اللہ کی رحمت نے کسقدر گھیر لیا ہے، اور اسے کتنی قربت حاصل ہو رہی ہے۔ لہٰذا کلام سے بندہ بار بار ثنا بیان کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اسے ان الفاظ میں سراہ رہا ہے۔ کتنی بڑی مناجات ہے یہ، بلکہ مناجات سے کہیں بڑھکر، جبکہ اللہ تعالیٰ "میرا بندہ" "میرا بندہ" کہکر اسے یاد کر رہا ہو! حیف ہے اس پر جو اس بلند مقام سے بے حس و بےخبر رہتے ہوئے جلد از جلد گذر جائے۔ نماز کے معانی و مطالب پر غور کرنا کتنا اشد ضروری ہے۔ آگے حلف)

"اور جب وہ کہتا ہے مَالِكِ (یا مَلِكِ) یَوْمِ الدِّیْنِ (روزِ حساب و جزاء کا مالک یا بادشاہ)، تو اللہ فرماتا ہے: مَجَّدَنِیْ عَبْدِیْ (میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی)۔ اور ایک مرتبہ کہا اور ہی نے فَوَّضَ اِلَیَّ عَبْدِیْ (میری طرف تفویض کیا میرے بندے نے)"۔ ۲۶ مئی

(مالک یوم الدین یعنی یوم الدین کا مالک کہنے میں دو چیزوں کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ ایک تو خود روزِ قیامت کا، یعنی وہ ہولناک دن جسمیں ہر انسان کی آخری قسمت کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے فیصلہ ہو کر وہ یا تو ابدی جنت میں، یا ابدی دوزخ میں، چلا جائیگا۔ دوسرا اس فیصلہ کرنے والے واحدِ قہّار کا جسکی اس روز تنہا حکومت ہوگی، اور سب کے سب، کیا بادشاہ و سلاطین، اور کیا فقیر و گدا، محکوم و مسخّر، لاچار و عاجز ہونگے۔ کسی کی ہیکڑی اس دن چلنے والی نہیں ہے، گو کہ دنیا میں کتنی ہی چلی ہو۔ پھر اس تنہا اور واحد بادشاہ کا فیصلہ کمالِ عدل و انصاف کا فیصلہ ہوگا، نہ ذرہ برابر کسی پر ظلم ہوگا، نہ کسی کی ادنیٰ حق تلفی۔ یہاں تک کہ دوزخی لوگ بھی اعتراف کرلینگے کہ ان پر کوئی ادنیٰ ظلم نہیں ہوا ہے، بلکہ وہ حقیقۃً سزا ہی کے مستحق تھے۔

مگر یہ سب کچھ فیصلہ کے دن ہونیوالا ہے، نہ کہ آج کے دن۔ مگر مؤمن کا یہ کمال ہے کہ آج اسی وقت اس دن پر ایمان ہی نہیں رکھتا، بلکہ اپنے سامنے ان تمام فیصلوں کا مشاہدہ کرتے ہوئے اسکی تصدیق کرتا ہے، جبکہ دنیا کا بیشتر حصہ اس دن کا انکار کر رہا ہو، اور اسکا مذاق اڑا رہا ہو۔ اسلئے حق تعالیٰ اس مؤمن کے مالک یوم الدین کہنے پر اسکی داد دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ "میرے بندے نے میری بزرگی اور عظمت بیان کی، اور قیامت کے کل معاملات کو مجھ پر ہی سونپ دیا۔ کیا یہ مکالمہ

بندے اور رب کے درمیان ایک ہنگامہ خیز، دل ہلا دینے والا، مکالمہ نہیں ہے؟
کیا کوئی بھی مؤمن شخص، جو اللہ اور آخرت پر کمال ایمان رکھتا ہو، سرد دلی کیساتھ
بغیر دل دھڑکے اللہ تعالی کو سامنے دیکھتے ہوئے اسے مالک یوم الدین سے مخاطب
کر سکتا ہے؟ اور ساتھ ہی اس سے مجدنی عبدی کا قدردان جواب سنکر ٹس سے مس
بھی نہ ہو یہ ممکن ہے؟ یہ ہے نماز کا صحیح مقام، یہ ہے سورۂ فاتحہ کی آیتوں کو سمجھکر
پڑھنا اور متأثر ہوتے جانا۔ کیا بلا سکون و اطمئنان، بلا غور و خوض، تدبر و تفکر، یہ
سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے؟ اور لوگ ہیں کہ محض خوش الحانی سے ان الفاظ
کو ادا کر کے، بلا سوچے سمجھے، پانچوں نمازیں رسمی و رواجی طور پر، صرف روزمرّہ کی
عادت کو پورا کرتے ہوئے، چلے جا رہے ہیں۔ اور دھیان اسی طرف لگا ہوا ہے کہ
بابا، جہانتک ہو سکے نماز کو مختصر کر کے پڑھو، اور چھوٹے بڑوں کا خیال رکھو)۔

"پس جب کہتا ہے إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ (تیری ہی عبادت کرتے ہیں ہم،
اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں ہم)، فرماتا ہے اللہ: هذا بيني وبين عبدي، ولعبدي
ما سأل (یہ چیز میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے۔ اور میرے بندے
کے لئے ہے وہ جو اسنے مانگا)"۔

(یہی ہے قلب سورۂ فاتحہ، جسکے دو جدا جدا ٹکڑے ہیں۔ ایک ہے إياك نعبد
اور دوسرا ہے إياك نستعين۔ إياك نعبد میں بندوں کی طرف سے اس بات کا اعتراف
ہے اللہ کی بارگاہ میں کہ "عبادت" صرف تیرے ہی لئے ہے، اور ہم صرف تجھ ہی کو پوجتے
ہیں۔ تو یہ محض حق اللہ ہے جسے بندہ ادا کرتا ہے۔ رہا إياك نستعين، تو
اسمیں بندوں کی ضرورت کا ذکر ہے، جسے وہ صرف اللہ ہی سے طلب کرتے ہیں۔ تو
یہ محض بندوں کا حق ہے خدا کی بارگاہ میں۔ اسلئے اللہ تعالی اسکے
بعد فرماتا ہے: یہ آیت میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے ... اسکی مناسبت
سے شروع حدیث میں فرمایا: میں نے تقسیم کیا نماز کو، یعنی سورۂ فاتحہ کو، آدھوں آدھ
اب سوچنے کا مقام ہے کہ جب ہم نماز میں خدا کو مخاطب کرتے ہوئے اس آیت
کو پڑھینگے، اسکے عظیم الشان معنی پر غور کرتے ہوئے، اور پھر جب اسپر اللہ تعالی
کا یہ جواب سنینگے، تو ہم کس درجہ متأثر ہو جائینگے؟ کیا ہمیں صحیح معنی میں وجد
آئے بغیر رہیگا، کہ اللہ تعالی اس قدر کھل کر بے تکلفی سے گویا کہہ رہا ہے: هذا نصف
لی و نصف لك۔ اتنا ہی نہیں، بلکہ فرماتا ہے کہ ولعبدی ما سأل، جیسا کہ آگے آتا
اس مرکزی مکالمے کے بعد پھر کہا ہے، جبکہ نمازی کو کھلا پاسپورٹ مل گیا کہ "میرے
بندے کے لئے ہے وہ جو اسنے مانگا"۔ گویا اللہ تعالی اسے دعوت دے رہا ہے کہ مانگ کیا
مانگتا ہے۔ اور اسپر انسان کیا کچھ نہ مانگیگا؟ اب تو دنیا بھر کی دولت، بلکہ حکومت، بھی
مانگے تو کم ہے۔ مگر جس ارحم الراحمین نے سب کچھ دینے کا ٹھیکہ لے لیا ہو، کیا وہ خود
اس ناقص العقل انسان کو یہ بھی نہیں بتا دیگا کہ وہ کیا چیز مانگے جو اسکے حق میں سب
اعلی ہو؟ چنانچہ اسنے اسکے لئے بہترین دعا بھی تلقین کی، اور اسکی اجابت کا وعدہ بھی
کیا۔ اور وہ دعا یہ ہے:)۔

"اور جب بندہ کہتا ہے: اهدنا الصراط المستقيم ✱ صراط الذين أنعمت
عليهم ✱ غير المغضوب عليهم ولا الضالين، تو اللہ تعالی فرماتا ہے لعبدی ما
سأل"۔ (یعنی جب کہتا ہے: ہدایت دے ہمیں سیدھی راہ کی۔ راہ ان لوگوں کی کہ

(یعنی ۱۲ الرحیمی ۲۶ یہ جلد ہوتے ہیں ہیں)